احیاءِ دین - اقامتِ دین - اظہارِ دین

ماہنامہ

# حیاۃً طیبۃً

راولپنڈی

جلد: 2 شمارہ: 7

ذوالحجہ 1444 ہجری/ جولائی 2023 عیسوی



زرِ سالانہ: 400 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

فی پرچہ: 40 روپے

برائے رابطہ: فقہ السنہ اکیڈمی، شیر زمان کالونی، گلی نمبر: 9، تلسہ روڈ، لالہ زار، راولپنڈی

0337-9828937

الخلیل پبلشنگ ہاؤس، فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی

051-5553248_0323-8549241

akpublishing124@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**اداریہ** امجد حسین

# امت پہ تری آ کے سخت وقت پڑا ہے

بیسویں صدی میں دو ریاستیں مذہب کے نام پر قائم ہوئیں۔ پاکستان اور اسرائیل، اور زمانۂ قیام بھی قریب قریب ہے۔ تیسری ریاست ایران تھی، جس میں مذہب کے نام پر صدی کے اواخر میں انقلاب برپا ہوا (خمینی کا شیعی انقلاب)

بیسویں صدی کے عین وسط میں جو کمیونزم کی خالص مادیت و دہریت کا دورِ عروج ہے اور پھر انیسویں صدی ابھی اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ گزری تھی، جو مغربی سامراجی طاقتوں کی لامذہبیت، الحاد و مادیت کے جلو میں نو آبادیاتی شکنجے میں تمام پسماندہ اقوام کو، تیسری دنیا کو جکڑنے کی صدی ہے، ایسے دور میں یعنی جس کو کہنا چاہیے۔

اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں

دنیا کے اسٹیج پر مذہب کا احیاء ہونا، مذہبی ریاستوں کا قیام ہونا یا مذہب کے نام پر ریاست قائم ہونا بجائے خود خوش گوار حیرت کی بات ہے۔ لیکن یہ سب ہوا اور اللہ کی مشیتِ غالبہ کے مطابق ہی ہوا۔ ایک طرف یہودیت کی بنیاد پر خالص صیہونی ریاست کا قیام دوسری طرف اس سے کچھ ہی پہلے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی بنیاد پر پاکستان کی مسلم ریاست کا قیام۔ ایسا لگتا ہے کہ مستقبل کے معرکۂ دجال اور مہدی و مسیح کے لیے میدان سجنا شروع ہو گیا، یا قربِ قیامت کے اس تاریخی معرکۂ خیر وشر کا زیرو پوائنٹ آ گیا۔ آج ہم اس نکتہ آغاز سے 75 سال آگے کھڑے ہیں، پلوں کے نیچے سے کافی پانی اس عرصہ میں بہہ گیا، لیکن سمت وہی ہے جو اس معرکۂ دجال و مسیح کے مقتضیات ہیں۔ قادیانیت، صیہونیت کا بغل بچہ ہے۔ صیہونیت نے مذہبی ریاست بنا کر اپنے ایکسپائر مذہب کا خوب احیاء اس پون صدی میں کیا، اور اپنی راندۂ درگاہ دنیا بھر میں بھٹکی ہوئی قوم کو یکجا کر کے امریکہ و یورپ تک کو اپنے زیرِ اثر کیا اور سودی مالیاتی اداروں کے ذریعے دنیا کی بیشتر

اقوام کو اپنے اقتصادی سنہرے شکنجے میں کس لیا۔

ایران نے بھی اپنے انقلاب کو اپنے خاص مذہب کے فروغ اور اڑوس پڑوس میں لانچ کرنے کے لیے بھرپور کامیابی سے استعمال کیا، جبکہ مملکتِ خداداد میں یہ پورا عرصہ اسلامیت و مغربیت اور دین و لادینیت کی کشمکش اور سرپھٹول میں ہی گزر گیا۔ اس حوالے سے پون صدی کی تاریخ بڑی تلخ ہے۔

انتہائی سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ہیں ابتداء اسماعیلؑ

قادیانیت و صیہونیت کے گٹھ جوڑ سے ایک اور بڑا وار اس مملکتِ خداداد پر گزشتہ پورے عشرے میں ہوا۔ جس میں یہاں کی سول و ملٹری اسٹیبلشمنٹ شعوری یا غیر شعوری حصہ دار و شریک کار رہی۔ یہ حملہ سیاسی، اقتصادی، عسکری، معاشرتی، جغرافیائی، مذہبی اور اخلاقی ہر پہلو سے اتنا شدید تھا کہ ملک کے بقا اور وجود پر ہی سوالیہ نشان لگنے شروع ہو گئے۔ آخر ع

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

لیکن اس کے آفٹر شاکس سے نکلنے میں اللہ جانے کتنا وقت لگے۔ ابھی بھی جو حالات ہیں، بساط کے سب مہرے، فرزین و پیادے داؤ پیچ میں مشغول ہیں۔ اللہ پاک نے جس طرح اپنی مشیتِ خاصہ سے دورِ الحاد و مادیت میں اس مذہبی ریاست کو وجود عطا فرما کر انہونی کو ہونی کر دیا تھا، اسی طرح ان شاء اللہ یہ مملکتِ خداداد ان سب آزمائشوں اور فتنوں، سازشوں سے بھی سرخرو ہو کر نکلے گی۔

یا اللہ! آپ اپنی غیبی طاقت سے موجودہ بھنور و بحران سے بھی اور سب بحرانوں سے مملکتِ خداداد کے ڈولتے سفینے کو ساحلِ مراد پر لگا دیجیے۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین۔

---

## قطعہ

کھول آنکھ اپنے ملک کی تصویر ذرا دیکھ
اقبالؔ اپنے خواب کی تعبیر ذرا دیکھ
جھنجھوڑتے ہیں جسدِ قومی سگانِ آز
کن ہاتھوں میں ہے قوم کی تقدیر ذرا دیکھ

(عبدالحلیم احقر)

**دوربین** ابنِ صدیق

# طائفہ منصورہ

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا مشہور قصہ غدر کے زمانہ کا ہے کہ جب ان حضرات کے نام وارنٹ کٹے ہوئے تھے اور سب کے اصرار سے حضرت نانوتوی کو ایک گھر میں چھپا دیا تھا تو تیسرے دن زبردستی گھر سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ ثور میں تین دن ہی پوشیدہ رہنا ثابت ہے۔ حضرت نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ درزی کو نمونہ کا کوئی کپڑا مثلاً قمیص، اچکن دے دیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ اسی نمونہ پر کپڑے سیتے چلے جاؤ۔ خراش، تراش، سلائی وغیرہ کے اعتبار سے جس حد تک اس نمونہ کے مطابق کپڑوں کے سینے میں درزی کامیاب ہوگا اسی حد تک سِلانے والے سے مزدور انعام کا مستحق ہوگا۔ اس تمثیل کو پیش کرکے ارشاد فرماتے تھے کہ اسوۂ حسنہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم قدرت کا بخشا ہوا نمونہ ہے۔ ساری انسانیت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو رنگ میں، ڈھنگ میں، چال میں، چلن میں، فکر میں، نظر میں اسی نمونہ کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں۔ جو جس حد تک اس نمونہ کے مطابق ہوگا، اُس کو اُسی حد تک اپنے محبوب کی محبوبیت سے حصہ عطاء کیا جائے گا۔

حضرت نانوتوی جب سفر سے نانوتہ تشریف لاتے تو دستور تھا کہ گھر سے پہلے کچھ دیر کے لیے مسجد میں قیام فرماتے، نفل ادا کرتے، اور جب قصبہ والوں کو آپ کے آنے کی خبر پہنچتی تو سب مسجد کی طرف دوڑ جاتے۔

معترضین آویں اور اتباعِ سنت میں اکابرینِ دیوبند کا مقابلہ کرکے دکھادیں۔ چلنے میں، بیٹھنے میں، اُٹھنے میں، خورد و نوش میں بہت مشکل سے ان کی نظیر ملے گی۔

اس کے بعد سنو! اسلام کی بناء چار ارکان پر ہے جن کو عبادات کہا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، زکاۃ، حج۔ سینکڑوں احادیث میں ان کو اسلام کی بناء بتایا گیا ہے۔ محدثین، فقہاء، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر عبادات ان ہی کو کہتے اور سُنتے چلے آئے ہیں۔ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کے ارشادات میں بھی ان ہی چیزوں کو عبادت کہا گیا ہے۔مگر اب بعض مفکرین کہتے ہیں کہ یہ تو اصل عبادت کے لیے ٹریننگ کورس ہے۔ بلکہ ان عبادتوں کا مقصد بڑی عبادتوں کے لیے تیار کرنا ہے۔ گویا عبادت کا مطلب اُمت میں سے کوئی نہیں سمجھا بلکہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ نہیں سمجھے۔

حضرت جبریل علیہ السلام تعلیمِ دین کے لیے تشریف لاتے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی حقیقت دریافت فرماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ کی شہادت اور یہی ارکانِ اربعہ صرف بتاتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام اس کی تصدیق فرماتے ہیں۔ مگر نہ جبریل علیہ السلام کو پتا چلا کہ یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا۔ سینکڑوں جگہ حدیثوں میں اسلام کی بناء انہی چار چیزوں پر ذکر کی گئی ہے۔ مگر کسی حدیث میں مجھے تو ملا نہیں کہ اصل عبادت کچھ اور ہے اور یہ عبادات اس کے لیے ٹریننگ کورس ہیں۔

ایک بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا ہے کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ عبادات ہی اس کو بتاتے ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! خدا کی قسم نہ اس پر زیادتی کروں گا نہ کمی کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی جنتی دیکھنا ہو اس کو دیکھ لے۔

(ماخوذ از: اکابر علمائے دیوبند اتباعِ شریعت کی روشنی میں)

مکالمہ

امجد حسین

# کیا اپنا سراغ خود نہیں پاؤ گے؟

پاکستان کی تحریک اور اس کا قیام اسلامی نظریہ کی بنیاد پر، اسلامی دستور کے نفاذ کے لیے ہوا تھا، اس حوالے سے پوری تحریک کے دوران نعرے، دعوے اور وعدے اتنے بلند آہنگ اور بدیہی تھے جس میں کسی اور بات کا دور دور تک شائبہ ہی نہ تھا۔ گزشتہ دو عشروں سے خصوصاً نائن الیون کے بعد یہاں کے لبرل اس حوالے سے مغالطہ آمیزی کر رہے اور کنفیوژن پیدا کر رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد بلا تاخیر اسلامی اصولوں پر مبنی ایک متوازن آئین و دستور مرتب ہو کر یہاں نافذ ہو جانا چاہیے تھا، جیسے بعد میں 1973ء میں ہوا۔ ایسا کرنا اس مملکتِ خداداد کے وجود و قیام کا بھی تقاضہ تھا اور بقا کا بھی، اور قوم نے تاریخ ساز قربانیاں اسی غرض سے دی تھیں۔ لہٰذا حالات اس کے لیے سازگار بلکہ اس امر کے طلبگار تھے اور قوم اس کے لیے چشم براہ اور محوِ انتظار تھی۔ اس طرح خون کا دریا عبور کر کے آزادی کی منزل پانے والی پاکستانی قوم کے زخموں پر مرہم کا کام بھی ہو جاتا۔ لیکن شومئ قسمت کہ بانی پاکستان اور پھر شہیدِ ملت بہت جلد داغِ مفارقت دے گئے۔ پیچھے لبرل و بد دین جاگیردار، سرمایہ دار اور برٹش گورنمنٹ کی وفادار سول و ملٹری بیوروکریسی ملک کی تقدیر کی مالک بن بیٹھی۔ جنہوں نے استحصال، بدعنوانی، ڈکٹیٹر شپ، محلاتی سازشوں اور جنگ زرگری کو فروغ دیا۔

نہ صرف اسلامیت بلکہ جمہوریت کا بھی یہاں ہمیشہ گلا گھونٹا گیا۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ایک دستور ساز اسمبلی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ملک کا پہلا دستور تقسیمِ ہند کے 9 سال بعد 1956ء میں جا کر نافذ ہوتا ہے (جو دو سال بعد ایوبی مارشل لاء کی نذر ہو جاتا ہے) بیوروکریسی اور مقتدرہ کو اکھاڑ پچھاڑ اور محلاتی سازشوں سے ہی فرصت نہ تھی۔ اسلامی تشخص و نظریہ سے انحراف اور جمہوری اصولوں کی پائمالی کے نتیجہ میں عوامی بے چینی بڑھتی گئی اور خصوصاً اپنی اسلامیت کی بنیادوں سے انحراف کے ساتھ ساتھ یہاں ایک مٹھی بھر اقلیت اور کچھ بد دین و لبرل عناصر ملک کو قادیانیت اور

لبرل ازم وسیکولرازم کی آماجگاہ بنانے کے اقدامات اور سازشیں کرنے لگے تو دینی طبقات نے مزاحمت کی۔ٹکراؤ یقینی تھا جو کہ ہوا اور بدقسمتی سے بار بار ہوا۔آزادی کے بعد کئی عشرے اسی سر پٹھول کی نذر ہو گئے۔ کتنی تحریکیں چلیں، کتنا خون بہا، کتنی صلاحیتیں اور اجتماعی وسائل انہی خرخشوں کی نذر ہوئے؟ تاریخ کو سب اَزبر ہے۔پچھلے عشرے میں جب چینی روسی بلاک ''ون بیلٹ ون روڈ'' کے ماٹو کے ساتھ وطنِ عزیز کو مغربی سامراج کے مقابلہ میں اس نئے بلاک میں شامل کرنے لگا تو عالمی اسٹیبلشمنٹ نے یہاں کے لوکل سول وملٹری اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ مل کر پراجیکٹ عمران لانچ کیا، اس پراجیکٹ نے چند سالوں میں ہی وطن کی بقا وسلامتی پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔آج وطنِ عزیز ایک دوراہے پر، تاریخ کے، اپنی تاریخ کے نازک اور نادر موڑ پر کھڑا ہے، ہانپ رہا ہے۔ مستقبل خطرات، اُمیدوں اور اندیشوں میں گھرا ہوا ہے، ملک وملت کا اجتماعی ڈھانچہ بری طرح ادھڑ چکا ہے، سوچو! تھوڑا نہیں زیادہ سوچو۔

قرآن میں قوموں کے عروج وزوال کے واقعات میں تدبر کرو، خصوصاً بنی اسرائیل کی اللہ سے اور اپنی شریعت کے اصولوں سے بدعہدی کرنے اور پھر اس کا خمیازہ بھگتنے کے واقعات میں غور کرو۔ فطرت کے اصول اٹل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کل کانٹے بو کر کسی نے پھول نہیں چنے تو آج بھی یہ خام خیالی ہو گی۔ ؎

کیا اپنا سراغ خود نہیں پاؤ گے — کیا پھر کوئی اجنبی بلاؤ گے
یہ راہ تو اس موڑ پر مڑ جائے گی — اے اہلِ وطن! کہو کہاں جاؤ گے

**نظرات**

ابنِ صدیق

# ایمان کی بارشیں

اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے جو چاہے۔ سردی کو گرمی سے کون بدلتا ہے اور دھوپ کو چھاؤں سے۔ وہی قادرِ مطلق ہے جو کفر کی گھٹاٹوپ میں ایمان کا نور پیدا کرتا آیا ہے... آج بھی کرسکتا ہے۔ پورے عالم پر جو انکارِ آخرت کی عملی شکل چھائی ہے اور ماحول و معاشرہ کو کفریہ راہوں پر ڈالا جا رہا ہے، اللہ کریم چاہے تو وہ قادرِ مطلق اس رخ کو ۱۸۰ درجے کا یوٹرن دے سکتا ہے۔

رہی اخلاقی گراوٹ، طلب دنیا، کفار کی بالادستی، زوالِ مسلم، پستی، ادبار، ترکِ اوامر اور آپس کی چخ چخ سب کی بنیاد میں ایمان کی کمزوری کارفرما ہے۔ یہ کمزوری مسلمان کے اندر ہے، کافر میں نہیں۔ کافر تو سیدھا سیدھا انکاری ہے۔ ایمانیات کا اقراری تو مسلمان ہے مگر اس کا اقرار حلق سے نیچے کم ہے، بیشتر اسلام اوپر ہی اوپر ہے، اندر کھوکھلا۔ اس وجہ سے نہ پورے عمل ہو رہے ہیں نہ پورے خیر و برکت کے اثرات ہیں۔ تھوڑی سی اعمال کی شکلیں چھوڑ کر کدھر ہے اسلام؟ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی معاشرت کہاں ہے، معاملات کہاں، قضا و عدل کہاں؟ اور خواب ہمارے خلافتِ ارضی کے۔

اگر اللہ کریم کی مہربانی سے ایمان کی مضبوطی حاصل ہوجائے تو ان شاء اللہ پورے دین پر چلنا آسان ہوجائے، پھر برکات ہی برکات۔ دل لگا کر اور اڑ کر دعا میں لگ جاؤ پیارو! الٰہی! ایمان کی بارشیں کردے۔ ایمانی بارشوں کا موسم لے آ۔ ایمانی برسات دیدے۔ ہم تجھ سے ایمان مانگتے ہیں، قرنِ اول کا ایمان۔ جیسے اللہ کریم تو بارشوں سے سبزہ اگاتا اور مردہ بنجر خشک زمین میں جان ڈال کر گل و گلزار کر دیتا ہے ایسے ہی ایمانی بارشوں سے ہر سو ایمان کی جڑیں لگادے اور ایمان یقین مضبوط کردے۔ دوسری طرف اسلام کے دشمن شیطانوں مِنَ الجنّة والناس کی قوتیں رب ذوالجلال! تو سلب کرلے۔ تیرے دین اور دین والوں کو خراب نہ کرسکیں۔

اپنے گھر کی مستورات اور بچوں کو بھی اس دعا میں لگائیں، سب اللہ سے مانگنے میں جُٹ جائیں۔ اللہ کریم ہے، جو مانگو دے دیتا ہے۔

**نظرات**　　　　ابنِ صدیق

# یک رنگی

سیکولر لبرل کہہ رہا ہے اتنا بھی کیا اسلام؟؟؟ ٹھیک ہے اسلام، ہم مسلمان ہی تو ہیں سب کے سب مگر اتنا بھی کیا صاحب! تھوڑی مورت پرستی بھی ہو تو کیا ہرج، تھوڑی صلیب کی پیروی گاہے بگا ہے۔ آخر مروت بھی کوئی شئے ہے۔ اشوکا بہتر بادشا تھا اس کا چکر جھنڈے پہ رکھ لیا تو اچھا کیا۔ اُس ترنگے کو کبھی کبھی سلوٹ مار دینا بہت بڑے طبقہ انسانوں کو خوش کرتا ہے تو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ۔

یہودی تو پھر ورلڈ پاور، اصل پاور تو ڈالر ہے جو یہودی کی جیب میں ہے پس تم اسے مان لو ورنہ تمہاری ایکانومی گئی۔ اور ٹیکنالوجی بادشا تو یورپ امریکہ بس ان کے سامنے گھٹنے ٹیکے رہو، سر اٹھاؤ گے مارے جاؤ گے۔ جدھر چلائیں چلتے جاؤ۔ سکھ تو پڑوسی ہوئے اپنے یار، اُن کا پیلا رنگ بسنت منایا کرو اور کچھ ہولی دیوالی بساکھی، نہیں تو باڈر گرم ہوگا۔ اور چینی دہریے تو تمہارے ہیں ہی فرینڈ ان کا لال رنگ کتنا اٹریکٹو اسے بھی کر لیا کرو سلام۔ انٹرسٹ ہوتے ہیں ناں میاں! بنا کے رکھو، ہر کام کا رنگ تھوڑا لے لو۔

جب جھنڈا لہرایا تھا ۱۹۴۷ء میں کہتے تھے سبز تو رنگ ہے نا مسلمان کا، دوسرے مذہبوں کا بھی رنگ ہو، وہ بھی تو اس ملک میں رہتے ہیں۔ کسی منہ میں زبان رکھنے والے نے نہ پوچھا کہ عالی جاہ! دنیا کے ڈیڑھ سو کافر ملکوں میں بھی تو مسلمان رہتے ہیں پھر وہ اپنے اپنے جھنڈے میں سبز رنگ کیوں نہیں دکھاتے۔ اگر کافر ہمارا رنگ لینے کو نہیں تیار تو ہمی کو تکلف کیوں؟

ایک رنگ اپنا لو، اے بھٹکتی قوم!

"صبغة الله . ومن احسن من الله صبغة" (سورة البقرة، رقم الآية : ۱۳۸)

"اللہ کا رنگ! اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ؟"

نظرات ابنِ صدیق

# آئین

خلیفہ کے فرائض: حدوداللہ کو قائم کرنا۔لوگوں کے ٹھیک ٹھیک حقوق انہیں دلوانا۔گزرے صالح حکمرانوں کے دستورالعمل زندہ کرنا۔ظلم کو روکنا اور عوامی شکایات کو بعد تحقیق رفع کرنا۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق لوگوں کو اطاعت کا حکم دینا اور گناہوں سے روکنا۔اللہ کے قانون کو اپنے اوپر اور سب پر یکساں نافذ کرنا۔جائز طور پر لوگوں سے محاصل لینا اور جائز طور پر انہیں خرچ کرنا۔صالح متدین خداترس اور خلیق لوگوں کو حکومتی عہدے دینا۔حکام پر مخبر مقرر کر کے باخبر رہنا اور حکام کو سرکاری مال اسباب ذاتی استعمال میں لانے سے روکنا (امام ابو یوسف، از کتاب الخراج)

مسلمان عوام کے فرائض: اپنے حکام کی اطاعت کریں۔نافرمانی نہ کریں۔ان پر ہتھیار نہ اٹھائیں۔ان کی سختیوں پر صبر کریں۔انہیں دھوکہ نہ دیں۔سچے دل سے خیر خواہی برتیں۔انہیں برائیوں سے روکنے کی کوشش کریں۔صحیح کاموں میں ان کی مدد کریں (ایضاً)

اگر یہاں چند چیزوں کا اضافہ ہو سکے تو وقت آج بھی خلافتِ راشدہ کو لوٹ سکتا ہے۔اول انتخابی خلافت۔صدارتی اور پارلمانی دوسسٹم جو دنیا میں فی الوقت انتخابات کی بنیاد پہ رائج ہیں ان میں صدارتی جمہوریت کو چند تبدیلیوں کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے۔موٹے موٹے سوالات اٹھیں گے بہر حال۔کیا یونیورسل (۱۸سالہ) سفریج اہلیت کی جستجو کو مناسب رہے گی یا چالیس سالہ زیادہ مناسب؟ چار پانچ سالہ ٹینیور مناسب رہے گی یا تاحیات جیسا قرنِ اول میں تھا؟ احزابی سیاست (پولیٹیکل پارٹیز) کے درمیان میرٹ یا اہلیت بہت آسانی سے گم جاتی ہے۔پارٹی پروگرام، ڈسپلن، انتخابی مینی فیسٹو فکرِ آخرت اور آفاقی خیر خواہی سے بڑھ کر اہم ہو جاتا ہے اس کا علاج کیا ہو؟ الیکٹورل کالج مدینہ پاک کی طرح صرف دارالحکومت ہو گا یا ایک ملک کی عوام ہو گی یا پوری امت؟ وزیراعظم اور کابینہ کی طرح صدارتی نظام کے اندر صدر بھی لوئر ہاؤس میں عوامی نمائندگان سامنے جوابدہ ہونا چاہئے تو کیسے ہو۔فقہاء، اولوالباب راہنمائی فرمائیں...اور انہی کو جچتا بھی ہے، ہر بچی بچے

کا کھیل نہیں۔

دوسری چیز شورائی فیصلہ سازی۔ آمریت کو لگام شورائی نظام ہی دیتا ہے۔ دنیا کے بیشتر صدارتی سسٹم آج بھی آمریت کا مزاج غالب رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے دنیا کی بیشتر آبادی اپنے اپنے سیاسی نظام سے مطمئن نہیں۔ مدینہ منورہ کی مستقل شوریٰ اہل اور خواص حضرات پر مشتمل تھیں جبکہ عوامی مشورہ بوقت ضرورت لیا جاتا اور وہ بھی مرکزِ اسلام کی حد تک جو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت کا مسکن تھا۔ آج کے اسمبلی ایوانوں میں داخلے کو اگر قدرے معیاری بنایا جاسکے تو یہی پارلمانیں، ایوانِ زیریں، بالا وغیرہ مستقل شوریٰ کا کام دے سکتی ہیں۔ عوامی مشورہ کسی خاص عنوان سے ضروری ہو جائے تو پلیبسائٹ، رائے شماری کر کے ہاں یا نہ میں سوال پوچھا جاسکتا ہے۔

تیسری چیز ظالم اور نااہل امام کی تبدیلی کا مسئلہ ہے۔ ایرانی آئین تو علماء کونسل جو ایک شیعہ کلرجی باڈی ہے کو یہ کام سونپ کر فارغ ہو گیا۔ بعض ممالک مقنّنہ کی دو تہائی اکثریت کو اختیار دیتے ہیں مگر اسے تاریخ میں شاذ ہی استعمال کیا گیا۔ شوریٰ کو اس ضمن میں بااختیار کرنے سے کافی حد تک مسئلہ حل ہوسکتا ہے اگر تقویٰ للّٰہیت ہر طرف موجود ہو۔ موجودہ زمینی سسٹمز کی پارٹی پالیٹکس، پارٹی پالیسی حق پر فیصلوں کی راہ میں بڑی رکاوٹ رہے گی۔

وحدانی وفاقی جھگڑا آسانی سے حل ہونے والی چیز نہیں۔ خلافتِ راشدہ پھر اموی، عباسی، عثمانی ادوار وحدانی مزاج پیش کرتے ہیں۔ تاریخ کی چھوٹی موٹی شورشوں کے باوجود صوبے کافی حد تک مطمئن رہے کہ قانون شرع شریف تھا جس کا ہر مسلمان بندہ بندی مطیع وفرمانبردار تھے۔ اگر اس پر آج بھی مسلمان اتفاق کر لیں تو سسٹم خواہ وفاقی ہو حرج نہیں۔ اصل خیر خواہی تو جمہور کی مطلوب ہے ناں پس جتنا پاور سینٹرز عوام سے قریب رہ سکیں وہی سسٹم بہتر۔ فیصلہ کن سطح کو اگر صوبوں سے بھی نیچے لے جایا جاسکے، ڈیوولیوشن جیسے لوکل گورنمنٹ، میونسپل باڈیز ہوتی ہیں بلکہ برادری چوہدری، سردارانِ قبیلہ یا پنچاتیں تو روزمرہ کام کاج اور مقامی جھگڑے چکانے کے اندر لوگوں کو زیادہ سہولت ہو۔

محاصل، قومی آمدنی: انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس، ویلتھ ٹیکس اور فلاں ٹیکس فلاں ٹیکس لگانا تو اپنے ہاں جائز نہیں۔ مسلمانوں کا صحیح ملک بالکل ٹیکس فری ملک ہوتا ہے۔ جتنا کوئی شخص، کافر یا مسلم ایمانداری سے محنت مزدوری کر کے سال بھر میں کمائے سب اس کا حق ہے، کیسے خرچ کرے یہ فیصلہ کرنا اس کا حق ہے، کس کو دے کس کو نہ دے با اختیار ہے۔ کسی جگّے، پہلوان، غنڈے، بدمعاش، باوردی، بے وردی تھانیدار کو اجازت نہیں اس سے ایک ذرہ بھی چھین سکے۔ حکومت کو کیا حق؟ اپنے جائز، قانونی ذرائع آمدنی پر صبر کرو حکومتو!۔ زکوٰۃ، عُشر کوئی ٹیکس نہیں، عبادت ہے۔ امیر سے لے کر غریب کو دے دیا جاتا ہے۔

تقسیم وسائل: یہ مسئلہ سب سے گرم ہے آج۔ ہمیشہ کی اخروی زندگی اور قیامت کے فیصلے اگر سامنے ہوں تو جو بجٹ وغیرہ کسی گاؤں، تحصیل، ضلع، صوبے کو مل جائے اس پر اطمینان رہتا ہے۔ چھوٹی سی دنیوی زندگی ہی اگر پورا مطمع نظر ہو جائے تو جھگڑا پڑے گا اور جھگڑا بڑھے گا ہر جگہ۔ پس پیارو! ایمان بنانا، ایمان بڑھانا، ایمان پکانا ضروری ٹھہرا، دائیں سے جاؤ یا بائیں سے۔ ایمان بنا تمہارے دین دنیا کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

کم ہی اہالیانِ وطن جانتے ہونگے کہ پہلے نو سال تو ملک نام کو بھی آزاد نہ تھا کہ تاجِ برطانیہ بذریعہ جی جی مسلط تھا ۱۹۵۶ء تک۔ پھر جو تاج سر سے ہٹا ہی تو ایک اپنے ''پوت'' کہ میر جعفر کا پڑپوتا تھا، اس کے حق میں ہٹا تھا جس نے دو ہی برس میں نمائندہ سیاست سے بیزار ہو کر پہلا فوجی راج مسلط کیا اور خود ملک چھوڑ گیا۔ بعدازاں بھی گورا دھمکی دھاندلی دھوکہ دباؤ موجود رہا حتی الیوم اور بائیس کروڑ مالکانِ ملک ورطۂ حیرت میں۔ کیا یہی مغربی جمہوریت ہے؟ اپنی قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور غلام زادہ ابن غلام زادہ بن کر گورا ڈکٹیشن لیتے چلے جانا مستقل۔ دوسرے لفظوں میں حاکمیتِ اعلیٰ اب تک گورے کی تسلیم ہے عملاً۔ اولین بزرگوں سے ملی قراردادِ مقاصد، دا آبجیکٹوز ریزولیوشن کو پیش لفظ میں بند کر کے باقی تین سو، ۳۰۰ صفحاتِ آئین کافروں کے نقل مار کر تو ہم کہیں بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ان بھول بھلیوں، گھاٹیوں، دلدلوں میں فکری انتشار کے جھگڑے کبھی ختم نہ ہونگے۔ پس کیوں نہ حاکمیتِ اعلیٰ خالق و مالک، اکیلے اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کرتے اپنی اصل کو پلٹیں: **خلافة علیٰ نهج النبوّة**

**نظرات** احمد ہارون

# جرم پر جری نہ ہوں

حضرت جنید بغدادی کا دور تھا کہ عالمِ اسلام کے ایک عالم نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی۔ لوگوں میں تشویش پیدا ہوگئی، اتنے بڑے عالم تھے آخر اسلام کیوں چھوڑا۔ چند علماء اس کے پاس گئے۔ وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ شاید کسی عیسائی سے مناظرہ ہوا ہو اور مناظرہ ہار کر اُن کا مذہب اختیار کر لیا۔ خیر وفد نے ان کے پاس جا پوچھا کہ بندۂ خدا تجھے کیا ہوا، آخرت اور قبر کا خوف دلایا تو وہ کہنے لگا دراصل میرے ساتھ معاملہ یہ ہوا کہ ایک روز سردیوں کی ٹھنڈی صبح تھی، میں نے کنویں سے پانی نکالا، وضو کیا اور مسجد میں جا کر امامت کے لیے مصلیٰ پر کھڑا ہو گا۔ جب نماز شروع ہوگئی تو میرا وضو ریح خارج ہونے کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اب میں یہ گمان کر رہا تھا کہ درمیان میں نماز چھوڑ کر مصلیٰ سے جاؤں گا تو لوگ میرا تمسخر اڑائیں گے وہ میرے بارے میں نجانے کیا سوچیں گے اور مجھے اس سردی میں کنویں پر جا کر دوبارہ وضو بھی کرنا پڑے گا لہٰذا اسی حال میں نماز جاری رکھی اور نماز کے دوران ڈرتا بھی رہا کہ اللہ کے عذاب کا کوڑا میرے نہ برس پڑے۔ ساری نماز ڈرتے ڈرتے پڑھا ڈالی اور مجھے کچھ نہ ہوا۔ پس میرا دل شیر ہوگیا۔ پھر بغیر وضو کے بھی جائے نماز پر کھڑا ہو جاتا اور نماز پڑھا دیتا۔ ایک دن حالتِ جنابت میں تھا لیکن میں نے اسی حالت میں نماز پڑھا ڈالی۔ تھوڑا تھوڑا گناہ کس طرح انسان کو خدا سے دور کر دیتا ہے۔ پہلے بغیر وضو کے نماز پڑھا دیتا تھا اور آج بغیر غسل کے کھڑا ہوگیا۔ ایک دن دل میں گمان آیا کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو مجھ پر ابھی تک عذاب آ گیا ہوتا۔ کیونکہ میں نے نماز کا تمسخر اڑایا ہے، دینِ محمد کا مذاق اڑایا ہے تو مجھ پر ابھی تک عذاب کیوں نہیں آیا۔ شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ دین سچا نہیں ہے تو اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی۔

علمائے کرام کے وفد میں ایک نے سرد آہ بھری اور کہا کہ بدبخت انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوڑا اسی صورت میں برسے گا کہ مسجد کی چھت تجھ پر گر جاتی یا تیرا سینہ پھٹ جاتا یا تیری

ٹانگیں توڑ دی جاتیں یا بیوی بچے مار دیے جاتے، رزق چھین لیا جاتا اور تو بھوکا مر جاتا؟ تو خیال کرتا ہے کہ اللہ نے کچھ کیا نہیں؟ اس نے تو تیرا کچھ چھوڑا ہی نہیں، اس نے تجھ سے اپنا دین چھین لیا، اس نے تجھ سے اپنا کلمہ اور اپنا پسندیدہ مذہب واپس لے لیا۔

قصہ کا سبق یہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد کئی انتہائی ظالم لوگ دیکھتے ہیں جو لوگوں کے حقوق مار لیتے ہیں، دھوکا دہی اور ملاوٹ کرتے ہیں اور کھلے عام پھرتے رہتے ہیں، ان پر کوئی عذاب نہیں آتا۔ لیکن یاد رکھیے یہ "استدراج" ہوتا ہے۔ یعنی اللہ نے اُن کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ اللہ اُن سے سجدے کی توفیق چھین لیتا ہے۔ پھر توفیق ہی نہیں ملتی کہ انسان نیکی کی طرف آجائے۔ دین کی فکر ختم ہو جاتی ہے۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ صبح مومن اور شام کو کافر ہوتے ہیں۔ انسان کو ڈرنا چاہیے کہیں کفر کی حالت میں اس کی موت نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں چھوٹی بڑی غلطیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

## انفاق فی سبیل اللہ

کہا چاچا ظفر کل کچھ لوگ میرے پاس افطاری کے لیے آرہے ہیں آپ کو پکوڑوں سموسوں کے آرڈر کے لیے کتنا ایڈوانس دے جاؤں؟ چاچا نے کہا کتنے دے سکتے ہو؟ چاچا کا سوال بڑا توہین آمیز لگا۔ میں نے مطلوبہ رقم سے زائد پیسہ جیب سے نکال کر چاچا کے حوالے کر دیے۔ چاچا بولے تم نے میری بڑی پریشانی حل کر دی اور پیسہ میرے ہاتھ پر رکھ دیا کہ جو بڑھیا کھڑی ہے اس کو دے آؤ۔ میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ بولے تم اندھے لوگ ہو، میری بیٹی ہے، ماں ہے، بہن جیسی ہے، تمہیں کیا لگے۔ تین گھنٹہ سے کھڑی ہے، نہ مانگ رہی ہے، نہ کوئی دے رہا ہے، نہ فریاد کرتی ہے، اللہ جانے کیا پریشانی ہے۔ تم لوگ بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ سمجھتے ہو، یہ پیسہ جا کر اس کو دے دو تا کہ اس کے سحر اور افطار کا بندوبست ہو جائے گا۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ چاچا کے پیسہ لے کر اُن اماں جی کو دینے جا رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ہم اپنے ہی لوگوں کو افطاری کرانا بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔ چاچا کی آنکھ سے کیوں نہیں دیکھتے۔ خدا کی تلاش میں نکلنے والے اگر انسان تک نہ پہنچے تو غلط راستہ پر نکل پڑے ہیں۔

(احمد ہارون)

**پس از مرگ زندہ** امجد حسین

# تذکرہ ایک گمنام نامور کا (چھٹی قسط)

""شیخ التفسیر مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ (نیوتھاکوٹ شانگلہ) کے حالاتِ زندگی۔ وفات: نومبر۲۰۲۲ء""

## سوات آپریشن کا ہنگامی دور

2010ء میں سوات آپریشن کے دوران یہاں علاقے میں آرمی نے پوزیشن سنبھال لی تھیں۔ چیک پوسٹیں قائم ہوئیں۔ ویسے بھی یہاں اباسین کے آر پار پولیس چیک پوسٹ مستقل قائم ہے، چیکنگ ہوتی ہے۔ پھر اباسین پر چائنا پل کا منصوبہ اس وقت شروع ہوا، نازک دور اور نازک حالات تھے، پل کی شکل میں ایک ماسٹر پلان گویا یہاں شروع ہورہا تھا۔ مدرسہ بالکل روڈ کے متصل پہاڑ کے دامن میں تھا۔ ان حالات میں رہائشی طلباء کرام کی رہائش یہاں سے ختم کرنے کے آرڈر ملے۔ چنانچہ طلباء کرام کو تختہ گاؤں کی مسجد میں (جو قدیمی درس تھا) منتقل کیا گیا۔ صرف تعلیمی سلسلہ یہاں مدرسہ میں جاری رہا، پانچ سال پل کا تعمیراتی منصوبہ جاری رہا، اس عرصہ میں رفتہ رفتہ آرمی کی پوسٹیں اور مشن بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، اس کے بعد مدرسہ حسبِ سابق رہائشی طلبہ کے ساتھ بحال و فعال ہوگیا۔

## رشتۂ ازدواج، کاشت کاری، مویشی بانی

آپ کی شادی دورۂ حدیث والے سال سے ایک سال پہلے موقوف علیہ والے سال میں ہوگئی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ایک عرصہ گاؤں میں ہی رہے، اس عرصہ میں کاشت کاری اور مویشی بانی کی۔ گاؤں کے پاس کی زمین میں چاول کی فصل ہوتی اور اوپر بلندی پر بارانی زمین تھی وہاں گندم بوئی جاتی۔ آپ نے اپنی ہمت اور غیر معمولی محنت سے دونوں زمینوں کی پیداوار گندم اور چاول کو خوب بڑھاوادیا۔ بفضلِ رب بہت برکت ہوئی پیداوار میں۔ بھینس بھی دودھ کے لیے رکھی تھی، خوب دودھ دیتی، اس کی اچھی طرح خدمت کرتے، اس کا دودھ کم ہوتا تو وہ بیچ کر دوسری بھینس خرید لیتے۔ فرماتے ہیں اس طرح مختلف اوقات میں ملا کر میں نے تیس بھینسیں پالی، بیچی اور خریدی

ہیں۔ہل جوتنے کے لیے بیلوں کی جوڑی بھی رکھی تھی۔خود ہی ان تمام و دیگر مصروفیات کے ساتھ اس کی بھی پوری خدمت کرتے ، ساتھ بکریاں بھی دودھ کے لیے مختلف وقتوں میں پالی ہیں۔اسی طرح گائیں بھی پالی ہیں۔

## شکار کا شوق، نشانہ بازی میں مہارت

شکار کا بھی شوق اور اس میں مہارت رکھتے تھے۔پیر سر جو بلند پہاڑی چوٹی ہے، تاریخی جگہ شمار ہوتی ہے، جہاں قدیم کھنڈرات ہیں۔عام شہرہ یہ ہے کہ یہ سکندرِ اعظم کے دور سے ہیں، سکندر کا یہاں آنا اور قیام کرنا کافی مشہور ہے۔بیرونی سیاح بھی یہ آثار اور یہ تاریخی مقام دیکھنے آتے ہیں۔فرماتے ہیں یہاں پیر سر کی چوٹی پر بھی جانا ہوا۔یہاں لکڑیاں کاٹنے ، آرہ کش کو ہمراہ لے جا کر بڑے درختوں کی چیرائی کٹائی کر کے تختے نکالنے اور شکار کرنے کی سرگرمیاں رہی ہیں، ماہر نشانہ باز تھے۔ یہ تب کی بات ہے ؏

جب آتش جوان تھا

غرضیکہ علومِ دینیہ کے ماہر فاضل ہونے اور لائق ، مستقل مزاج ، محنتی و شفیق استاد ہونے میں اگر وراثتِ نبوت سے حظِ وافر کے حامل تھے تو کھیتی باڑی ، مویشی بانی ( بکریوں سے بھینسوں تک ) شکار کے مشاغل جو دنیا کے قدیم پیشے ہیں اور ان سے وابستگی ایک بھرپور فطری زندگی جو سعادتوں اور برکتوں کی حامل ہے وہ آپ کو حاصل ہوئی۔ ؏

بلبل ایں ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ترجمہ: بلبل کے لیے گل کا ہم قافیہ ہونا ہی بڑے اعزاز کی بات ہے

کٹھرا

حافظ موسیٰ بھٹو

# انسانیت نوازی اور اس کے حقیقی تقاضے

## (مغرب کی انسانیت نوازی کے پس نظر میں)

مغرب پوری دنیا کو اپنے بارے میں یہ تاثر دیتا رہا ہے کہ وہ انسانیت نوازی کے پیام کا علمبردار ہے، پوری انسانیت کی بھلائی اس کے پیش نظر ہے، لیکن پچھلے دو تین سو سالوں سے انسانوں کے وسائل پر قبضہ کرکے، ان پر جنگیں مسلط کرنا اور ان جنگوں میں لاکھوں سے زیادہ لوگوں کو ہلاک کرنا، یہ انسانیت نوازی ہرگز نہیں، انسانیت نوازی دراصل حقیقی دین و مذہب کے ذریعے ہی پیدا ہوتی ہے، وہ مذہب اسلام ہی ہے، اسلام کہتا ہے کہ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنا، گویا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے، ایک بے گناہ انسان کی جان بچانا گویا پوری انسانیت کو بچانا ہے، اسلام کہتا ہے کہ معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلانا قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے، اس لئے کہ فتنہ سے قتل وغارت گری کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

انسانیت نوازی کا سب سے بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ غریب ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنے کی حریصانہ اداؤں کو ختم کیا جائے، انسانیت نوازی کا تقاضہ ہے کہ قوموں کے معاملات میں مداخلت کرکے، ان پر جنگیں مسلط کرکے، ان کے نظام کو درہم برہم نہ کیا جائے، جس طرح عراق اور افغانستان میں کیا گیا، انسانیت نوازی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی قوم سے وابستہ افراد کی تربیت اس طرح کی جائے، جس سے ان کے دلوں میں انسانوں (مسلمانوں) کو مار ڈالنے کے جذبات و احساسات پیدا نہ ہوسکیں، حقیقی انسانیت نوازی تو یہی ہے، باقی استحصالی مفادات کی خاطر بظاہر انسانیت نوازی کا روپ دھارنا، یہ اہل مغرب کو زیب نہیں دیتا۔

انسانیت نوازی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانیت کا درد اپنے ساتھ لاتی ہے کہ انسانی ذات کو کس طرح مہذب بنایا جائے اور انہیں ایک دوسرے سے قریب کیا جائے۔

انسانیت نوازی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انسانیت کا مفاد زیادہ عزیز ہو، بمقابلہ مال و دولت کے، اور غریب انسان کی بے غرضانہ امداد کی صورت پیدا ہو، نیز انسانیت کی حالت زار پر رحم کی صورت پیدا ہو۔

انسانیت نوازی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ظالم اور استحصالی قوتوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ کمزور اور بے بس قوموں کے استحصال کے نظام کو ختم کریں اور سب کو یکساں بنیادی حقوق دیئے جائیں اور سب کو مساویانہ طور پر زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔

جب حقیقی انسانیت نوازی کی صفت آجاتی ہے تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر انسانی معاشرہ مہذب ہو جاتا ہے، وہ سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے، نیز قوموں کی قوموں سے لڑائی اور ٹکراؤ کی صورت ختم ہو جاتی ہے۔

اس طرح انسانی معاشرہ حیوانیت کے منظر کی بجائے حقیقی انسانیت کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔

مغرب جس کو قدرت نے پوری دنیا پر اثر انداز ہونے کا موقعہ فراہم کیا، وہ اگر انسانیت نوازی کے اس مفہوم کا حامل ہوتا تو آج انسانی معاشرہ اخلاقی اعتبار سے ترقی کے بلند مقام پر فائز ہوتا اور انسانیت کی سطح پر باہمی ناہمواری کی فضا ختم ہو جاتی، اور دنیا میں امن وامان کی فضا پیدا ہو جاتی۔

لیکن بدقسمتی سے اہل مغرب، مذہب کی حقیقی صورت سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنے باطن میں انسانیت نوازی کا سلیقہ پیدا کرنے اور انسانیت کا حقیقی درد پیدا کرنے میں ناکام ہوا، مغرب کا اصل مقصد قوموں کا اقتصادی استحصال تھا اور ان کو اپنا ذہنی غلام بنانا تھا۔

اسی مقصد کے لئے اس نے انسانیت نوازی کا نعرہ لگایا اور اس کا روپ اختیار کیا، انسانیت نوازی کی ساری حقیقی خصوصیات تو اسلام کے تہذیبی ورثے سے وابستہ ہیں، اسلامی تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، اب بھی اگر حقیقی اسلامی تحریک کو پروان چڑھنے کا موقعہ ملا تو ان شاء اللہ، وہ اجتماعی زندگی میں انسانیت نوازی کا حقیقی مظاہرہ کرے گی اور انسانیت کو حقیقی سلیقہ انسانیت سے آشنا کرے گی، اور دنیا سے اقتصادی ناہمواری کی فضا کو ختم کر کے، دنیا کی ساری قوموں کو آگے بڑھنے کا موقعہ دے گی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے علمبردار سب کو

یکساں طور پر معاشی ترقی کے مواقع فراہم کریں گے اور اس سلسلے میں وہ کسی تعصب اور مفادات سے کام نہ لیں گے۔

اس طرح انسان ذات، استحصالی قوموں کی جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی غلامی سے آزاد ہو کر اللہ واحد کی غلامی اختیار کرنے کی راہ پر گامزن ہو گی، اللہ چونکہ سب کا رب ہے، اس لیے حدیث شریف کے مطابق پوری انسانیت، اللہ کا کنبہ ہے۔ اور اللہ کی نظر میں سب سے بہتر وہ ہے، جو اس کنبہ کے لئے بہتر ہے۔

اسلام کی انسانیت نوازی کے تصور میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جہاں انسان کو سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور کر کے، اس کی دنیاوی زندگی کو خوشگوار اور پاکیزہ بنایا جائے، وہاں اسے آخرت کی ابدالاباد والی زندگی میں بھی کامیابی سے ہمکنار کیا جائے۔

یہ اس وقت ہو گا، جب عقیدہ توحید، عقیدہ ختم نبوت اور عقیدہ آخرت پر ایمان حاصل ہو گا اور عملی زندگی کی تشکیل ان عقائد کے تحت ہو گی، انسانیت نوازی کا محدود معنوں میں تصور جو اہل مغرب کا نقطہ نگاہ ہے، اس کا حشر سامنے ہے کہ وہ انسانیت کی ہر سطح پر پامالی کی صورت میں ظاہر ہے، جب کہ اسلام کی انسانیت نوازی کا تصور انسانیت کی دنیا و آخرت میں حقیقی بھلائی اور نجات پر مبنی ہے۔

ہمارا خانقاہی نظام صدیوں سے انسانیت نوازی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا رہا ہے کہ جگہ جگہ خانقاہیں ہوتی تھی، جہاں لوگوں کو مفت کھانا بھی فراہم کیا جاتا تھا، رہائش کی سہولت بھی تھی تو ساتھ ساتھ لوگوں کی پاکیزہ اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کی جاتی تھی اور انہیں انسانیت کے شایانِ شان کردار کا حامل بنایا جاتا تھا، اس طرح ہماری خانقاہیں معاشرے کی بہتر خطوط پر تربیت کا ذریعہ بنتی تھیں، جس کی وجہ سے افراد میں ایک دوسرے سے محبت ورواداری، صبر و تحمل اور ایک دوسری کی مالی مدد جیسی صفات پیدا ہو جاتی تھیں، ہماری ان خانقاہوں میں سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد قیام پذیر ہوتے تھے اور اہل اللہ کی زیر سرپرستی وہ انسانیت نوازی اور پاکیزہ انسانی اوصاف سے بہرہ ور ہو جاتے تھے، انگریز نے آ کر ہمارے اس سسٹم کو زیر و زبر کیا، اور ہمیں انسانیت نوازی کے نام پر مادیت پرستی کی دوڑ میں لگا یا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پوری انسانیت کو انسانیت نوازی اور سلیقہ انسانیت کی ضرورت ہے، جس کے زیر اثر فرد و افراد کی حیوانیت پر انسانیت غالب آ جائے اور مادی مفادات کی جگہ اعلیٰ انسانی، اخلاقی اور روحانی اوصاف پیدا ہوں، مفلوک الحال لوگوں کی مدد کا خود کار نظام تشکیل ہو۔

مادیت پرستی کی بڑھتی ہوئی ہولناک لہر نے انسانیت نوازی کی اس تحریک کی ضرورت میں غیر معمولی طور پر اضافہ کیا ہے، یہ تحریک جس طبقے اور گروہ کی طرف سے بھی شروع ہوگی اور اسے رفتہ رفتہ ہمہ گیر صورت عطا ہوگی، وہ گروہ اور وہ قوم انسانیت کی طرف سے تحسین و تبریک کی مستحق ہوگی۔ مسلمان جو اس معاملے میں حساس رہے ہیں، ان کی طرف سے اس سلسلے میں پیش قدمی ہونا ضروری ہے۔

انسانیت نوازی کی صفت، اسلامی ثقافتی ورثے کی نمایاں خصوصیت رہی ہے، جس کے تحت انسانوں کی بے لوث خدمت، غریبوں کی مدد اور ان کی پرسان حالی، بیماروں کی عیادت، سماجی خدمت کے کام وغیرہ شامل رہے ہیں، لیکن جب سے مسلمان حکومتیں سیکولرزم کی دلدادہ ہوگئی ہیں، اس وقت سے ہمارے معاشرے میں انسانیت نوازی کا سلسلہ بہت کم ہوگیا ہے۔

---

# سچی محبت

جوان ہونے کے بعد اولاد اپنی مرضی کی زندگی جینا چاہے تو یہ سوچیے کہ وہ اہم یا ہم؟ ان کی خواہش پہلے یا ہماری محبت؟ بچوں کی زندگی پہلے یا ہماری؟ بس یہ ہے کلیہ، ہم زندگی گزار چکے اپنی مرضی کے مطابق، اب ان کی باری ہے، ہماری خواہش کیوں ان کے پاؤں کی بیڑی بنے؟

محبت کا سیدھا سا فارمولا ہے۔ کرو، جتنی جی چاہے کرو، مگر بنا کسی شرط کے۔ اپنی محنتوں کا صلہ مانگے بغیر۔ غیر محسوس طریقے سے اپنی مرضی کی زنجیریں پہنائے بنا۔ خاندانی روایات کی گھٹی دیے بغیر۔ تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔ راتوں کو جاگ جاگ کر پالا ہے محنت سے کما کر کھلایا ہے وغیرہ وغیرہ کے احسان جتائے بغیر۔ یہ ہے اصل محبت باقی تو کاروبار ہے لین دین کا۔

(ڈاکٹر طاہرہ کاظمی)

شذرات

شعیب احمد

# کام کی باتیں

## رب سے نہ مانگیں تو کس سے مانگیں...!

''میرے لیے ایک سائیکل خرید دیجیے'' بیٹے نے باپ سے کہا۔ باپ کی آمدنی کم تھی، وہ سائیکل خریدنے کی پوزیشن میں نہ تھا، اس نے ٹال دیا۔ لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا۔ بالآخر ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا ''میں نے کہہ دیا کہ میں سائیکل نہیں خریدوں گا، اب آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا''

یہ سن کر لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ کچھ دیر چپ رہا۔ اس کے بعد روتے ہوئے بولا ''آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں، پھر آپ سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں'' اس جملہ نے باپ کو تڑپا دیا، اچانک اس کا انداز بدل گیا۔ اس نے کہا ''اچھا بیٹے اطمینان رکھو، میں تمہارے لیے سائیکل خریدوں گا، اور کل ہی خریدوں گا'' یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اگلے دن اس نے پیسہ کا انتظام کر کے بیٹے کے لیے نئی سائیکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک جملہ کہا تھا، مگر یہ ایک ایسا جملہ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی، جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہو گئی تھی۔ اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے، یہ جملہ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا، جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لیے بھی اتنا ہی بڑا مسئلہ بن گئی جتنا خود اس کے لیے۔

اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کی وہ کون سی قسم ہے جو میزان کو بھر دیتی ہے اور جس کے بعد خدا کی رحمتیں بندے کے اوپر امنڈ آتی ہیں۔ یہ رَٹے ہوئے الفاظ کی تکرار نہیں ہے، نہ اس کا کوئی ''نصاب'' ہے۔ یہ ذکر کی وہ قسم ہے جس میں بندہ اپنی پوری ہستی انڈیل دیتا ہے۔ جب بندے کی آنکھ سے عجز کا وہ قطرہ ٹپک پڑتا ہے، جس کا تحمل زمین و آسمان بھی نہ کر سکیں۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر دیتا ہے کہ ''بیٹا'' اور ''باپ'' دونوں ایک ترازو پر آ جاتے ہیں۔

یہ وہ لمحہ ہے جب کہ ذکر محض لغت کا لفظ نہیں ہوتا بلکہ ایک شخصیت کے پھٹنے کی آواز ہوتا ہے۔ اس وقت خدا کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں، بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو جاتی ہیں۔ قادرِ مطلق عاجزِ مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے'' (مجموعہ مقالات از مولانا وحید الدین خان صاحب، جلد دوم، ص: ۲۳۳، مقالہ نمبر۴: قرآن کا مطلوب انسان، مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور)

## خدا سے سراپا دعا بن کر مانگیں

ایک بچہ اپنی ماں سے روٹی مانگے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ماں اس کے ہاتھ میں انگارہ رکھ دے۔ خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ آپ خدا سے خشیت مانگیں اور وہ آپ کو قساوت دے دے۔ آپ خدا کی یاد مانگیں اور وہ آپ کو نسیان میں مبتلا کر دے۔ آپ آخرت کی تڑپ مانگیں اور وہ آپ کو دنیا کی محبت میں ڈال دے۔ آپ کیفیت سے بھری ہوئی دینداری مانگیں اور وہ آپ کو بے روح دینداری میں پڑا رہنے دے۔ آپ حق پرستی مانگیں اور وہ آپ کو شخصیت پرستی کی تاریک کوٹھڑی میں بند کر دے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی مطلوب چیز کا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے ابھی تک اس کو مانگا ہی نہیں۔ اگر آپ کو دودھ خریدنا ہو اور آپ چھلنی لے کر بازار جائیں تو ظاہر ہے کہ پیسے خرچ کرنے کے باوجود آپ خالی ہاتھ واپس لوٹیں گے۔ اسی طرح اگر زبان سے آپ دعا کے کلمات دہرا رہے ہوں مگر آپ کی اصل ہستی کسی اور طرف متوجہ ہو تو میں کہوں گا کہ نہ آپ نے مانگا تھا اور نہ آپ کو ملا۔ جو مانگے وہ کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ یاد رکھیے یہ مالکِ کائنات کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی بندے کو اس حال میں رہنے دے کہ قیامت میں جب خدا سے اس کا سامنا ہو تو وہ اپنے رب کو حسرت کی نظر سے دیکھے، وہ کہے کہ خدایا میں نے تجھ سے ایک چیز مانگی تھی مگر تو نے مجھے نہ دی۔ بخدا یہ ناممکن ہے، یہ ناممکن ہے، یہ ناممکن ہے۔ کائنات کا مالک تو ہر صبح و شام اپنے سارے خزانے کے ساتھ آپ کے قریب ترین آ کر آواز دیتا ہے: ''کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دوں'' مگر جنہیں لینا ہے وہ سو رہے ہوں تو اس میں دینے والے کا کیا قصور؟ (مجموعہ مقالات از مولانا وحید الدین خان صاحب، جلد دوم، ص: ۲۰۱، مقالہ نمبر۴: زلزلۂ قیامت، مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور)

گوشۂ ادب

عبدالحلیم احقر

# نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتِ عالم سرورِ دوراں صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشینِ بزمِ رسولاں صلی اللہ علیہ وسلم
آپ سراپا رحمت، ہی رحمت اپنوں سے بڑھ کر غیروں پر شفقت
ہادی عالم منبعِ ایماں صلی اللہ علیہ وسلم
تعلیمِ جہاں ہے انہی کے دَم سے، رونقِ گیتی ان کے قدم سے
ان سے مزین کوہ و بیاباں صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی و رہبر ساقیِ کوثر صاحبِ اسریٰ شافعِ محشر
بدر الدّجیٰ وہ نیّر تاباں صلی اللہ علیہ وسلم
آقا ہمارے ہادی کل ہیں مقصودِ داور ختم الرسل ہیں
صاحبِ لولاک محبوبِ یزداں صلی اللہ علیہ وسلم
شاہِ عرب ہیں شاہِ عجم ہیں شوکت دارا زیرِ قدم ہے
زیرِ قدم ہے شوکتِ خاقاں صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کے دَر کا جو بھی گدا ہے شاہوں سے رتبہ اس کا سوا ہے
جن و ملک ہیں ان کے ثنا خواں صلی اللہ علیہ وسلم
عہد کہن تھا حُبِ نبی کا، دورِ نوی ہے عشقِ نبی کا
عشقِ نبی ہے رسمِ چراغاں ؟صلی اللہ علیہ وسلم
حبِ نبی ہے دین و ایماں احقرؔ ان پہ جان بھی قربان
صلّوا علیہ ہے رب کا فرماں صلی اللہ علیہ وسلم

**ملکوں کی کاپی** ادارہ

# برونائی دارالسلام(Brunei)

کراچی/اسلام آباد سے فاصلہ: چار ہزار میل سے کم جانب مشرق۔

ذرائع آمدورفت: ہوائی سفر، بحری سفر بھی کھل سکتا ہے۔ خرچہ: درمیانہ۔

وقت: ۳ گھنٹے آگے۔ پڑوسی ممالک: اصل ہمسایہ تو ایک ملائیشیا ہے بس، البتہ انڈونیشیا بھی قریب ہے اور کسی حد تک اسپریٹلے جزائر جو مشرق بعید میں گھرے جھگڑے کا سامان ہیں۔ ساؤتھ چائناسی یا جنوبی چینی سمندر لگتا ہے جو بحرالکاہل کا حصہ ہے۔

رقبہ: ۲۲۲۶ مربع میل یا ۵۷۶۵ کیلومیٹر مربع (آپ کا ایک ضلع)۔ بورنیو جزیرہ جسے اب کلامنتان کہتے ہیں اس کے شمالی حصہ میں دو چھوٹے چھوٹے ساحلی ٹکڑے مل کر یہ ملک انگریز کے ہاتھ سے بنا موجودہ شکل۔ آبادی: ساڑھے چار لاکھ۔ زبانیں: ملائی، انگریزی۔

مسلمان آبادی اور اس کی تفصیل: سب مسلمان ہیں۔ آب وہوا اور موسم: گرم مرطوب خوشگوار۔

کرنسی اور اقتصادیات: برونائی ڈالر، تیل کی معیشت۔ ملک میں ہر چیز تقریباً مفت، سبسیڈائزڈ یا امدادی ہے۔ جی ڈی پی (پیریٹی پر) فی الوقت ۲۵ بلین ڈالر سالانہ پہ جارہی ہے اور پرکیپیٹا یا فی کس ۵۰ ہزار ڈالر سالانہ پر۔

عمومی دینی حالات: باوجود دنیاوی ریل پیل لوگ متدین ہیں، بادشاہ نہایت شریف ہے، لوگ آسودہ۔ مسلمان اپنے دین پر مال جان لگانا چاہتے ہیں۔ ہر کار خیر میں حکومت سبقت کرتی ہے مگر ایڈوائزر/مشیر انگریز کافر ہیں۔ سن ۲۰۱۳ میں بادشاہ نے اعلان کردیا کہ ۲۰۱۶ سے ملک کا قانون شرع شریف ہوگی۔ کفر دنیا بھر میں انگلیاں چبانے لگا۔ بادشاہ پر طرح طرح سے کیچڑ اچھالا گیا، سلسلہ جاری ہے۔

کام کے حالات: کام معروف ہے اکثریت اوقات لگائے ہوئے ہے۔ کوائف پورے کر کے ملکوں میں جاسکتے ہیں۔ سراوک تشکیل والی جماعت ایک ماہ یہاں باقاعدگی سے لگاتی رہے تو کام ترتیب

پہ آسکتا ہے۔

عام حالات: اسپینی ملاحوں نے جب سولہویں صدی ان پانیوں کا پہلا چکر لگایا تو فلپائن کا بیشتر حصہ سلطنت برونائی کے ماتحت تھا۔ اسپینی قوت نے سارے جتن کر لئے مگر لوگ ان کے مطیع نہ ہوئے۔ پتہ چلا کہ انہیں قوت و امداد برونائی سے ملتی ہے۔ اسپینیوں نے میکسیکو سے بڑا بیڑہ منگوا کر ۱۵۷۸ء کی اپریل ۱۶ کو برونائی پر سمندر سے حملہ کیا، شہر لوٹا، جامع مسجد کو آگ لگائی اور دس دن لوٹ مار کر کے بھاگ لیے۔ سن ۱۸۴۶ء کو انگریز نے حملہ کیا اور برونائی کو جیمز بروک کی سراوک میں ضم کر لیا۔ ۱۹۰۶ء میں بادشاہ کے سر پر ایک ریذیڈنٹ بٹھا دیا جو آل ان آل ہو گیا اور ۱۹۵۹ء تک بیٹھا رہا۔ جنگِ عظیم کے چار سال جاپانی قبضہ رہا ۱۹۴۵ء تک۔ جاپانی گئے تو الائیڈ فوج آسٹریلیا کی تھی، اسی کے سپاہی ہر چیز پر چڑھ بیٹھے، بادشاہ اور عوام ایک دوسرے کا منہ دیکھیں۔ جب ۱۹۲۹ء میں تیل نکلا تھا انگریز نے یہ ٹکڑا توڑ کر سراوک سے الگ کر لیا اور ملایا چھوڑتے وقت اسے نہیں چھوڑا تھا۔ ٹانگ گھسیٹتا رہا، تیل پیتا رہا ٹانگ گھسیٹتا رہا۔ بعد خرابی بسیار ۱۹۸۴ء میں عالمی دباؤ کے تحت چھوڑا جبکہ ملایا ۱۹۵۷ء سے آزاد تھا۔ باوسائل ممالک کے ساتھ سازش، کمینگی، فراڈ اور دھونس کا جو سلوک کا فرروا رکھتا ہے اس کی ٹھیٹھ مثال ہے یہ ملک۔ باوجود آزادی ہر چیز پر انگریز چڑھا بیٹھا ہے۔ "سرائے" جہاں سے تیل نکلتا ہے وہ آج بھی انگریز اور اس کی ملازمہ گورکھا رجمنٹ کا اڈہ ہے۔ پندرہ سو گورکھا کمانڈو ڈیوٹی کرتے ہیں اور بلیک ہاک ہیلی کاپٹر، بادشاہ کیا کر لے، بولو۔ پھر جو حکومتی آمدنی کہیں خرچ ہوگی تو ہر چیز انگلینڈ سے آئے گی۔ گورا مشیر مشورہ دیتا ہے سرکار! آپ تو دنیا کے جواہیڈ کواٹر لاس ویگاس میں محلات بنائیں، ٹاپ ایکٹریسیں حاضر، عیش کریں۔

ضروری نکات: آدھی سے زیادہ دنیا میں یہ لوگ ویزہ بغیر سفر کر سکتے ہیں، صرف برونائی پاسپورٹ دکھانا کافی ہے۔ اگر آپ ہمت کر کے انہیں عالمی تقاضوں پہ کھڑا کر دیں یہ کام کو لے کر دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچ جائیں۔ بالکل ہلکا بستر کافی۔

مزید معلومات: مچھر کا انتظام احتیاطاً کر لیا جائے۔ ایک دفعہ وہاں تک آپ پہنچ جائیں تو خرچہ کوئی خاص نہیں تاہم درمیانہ خرچہ ممالک فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔ سفارت خانے کی اگر تسلی ہو

جائے کہ واپس چلے آئیں گے ویزہ دے دیتے ہیں۔ سپریٹلے جھگڑا سے تینوں مسلمان، برونائی، ملائیشیا، انڈونیشیا الگ ہوجائیں تو ان شاءاللہ عافیت میں رہینگے ورنہ تو سخت خطرہ۔ تاہم ایک شہر اور ۲۲ گاؤں کا یہ ملک عالمی حیثیت اور مقام رکھتا ہے۔

آج مسلمان کی پٹائی دنیا میں عام کیوں؟ مقصدِ زندگی تو اپنے خالق مالک، اللہ تعالیٰ کو خوش کر کے ہمیشہ کی آخرت بنانا تھا مسلمان نے کافر کی دیکھا دیکھی مال اکٹھا کر کے دنیا کی فانی زندگی بنانا ہی مقصد جان لیا اسی میں لگ گیا۔ دین کو غیر ضروری چیز سمجھ کر اسے اپنی زندگی سے نکالنا، مٹانا شروع کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین پر مسلمان کو مٹانا اور دربدر کرنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ پٹائی کروا رہے ہیں ورلڈ وائیڈ تاکہ واپس اپنے دین پر آئیں ہم۔ آئے دن جو مسلمانوں پر بمباریوں، قتل عام، ملک بدری، ریپ، بےعزتی، ظلم زیادتی خبریں آرہی ہیں ان سے ہمارے اندر کیا تبدیلی آئی ؟ کیا ہمیں اپنے ایمان وعمل کی فکر لگی؟ کیا نماز شروع کر دی؟ کیا اپنے ظلم زیادتیوں کی معافی لے لی ؟ کیا حرام خوری چوری، سود، رشوت اور جھوٹ، غیبت کو چھوڑ دیا؟۔ کیا ہماری لیڈیز پردے میں آ گئیں؟ جینے سے مرنے تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اک زندگی ہے مکمل جس کا نام ہے اسلام۔ ہم تو مگر نشے میں ہیں۔ دو نشوں سے نکلو مسلمانو! سکرۃ حب العیش، خوش عیشی کا نشہ اور سکرۃ الجہل، جہالت کا نشہ۔ کافر دشمن کو گالی دینے کا فائدہ نہیں، آؤ توبہ کر لیں۔

طب و عملیات

امجد حسین

# معدہ کی چار قوتوں کے لیے مفید نسخہ

معدہ کی چار قوتیں ہاضمہ، ماسکہ، جاذبہ، دافعہ ہیں۔ ان میں سے ہر قوت کی اپنی ایک اہمیت، نافعیت اور ضرورت ہے، ان میں سے کوئی قوت بھی متاثر ہو جائے تو خورد و نوش اور بول و براز کا نظام متاثر ہو کر اپنی فطری حالت سے بدل جاتا ہے۔ نتیجتاً جسم کے باقی نظام بھی بتدریج متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں اور طرح طرح کے عوارض و امراض جسم کو درپیش ہونے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ایک نسخہ درج کیا جاتا ہے، یہ جملہ شکایاتِ متعلقہ ہضم و ہاضمہ کے لیے مفید ہے، بھوک پیدا کرتا ہے، دردِ شکم، کثرتِ ریاح، ہیضہ وغیرہ کے لیے مجرب اور بڑے بڑے اطباء کے زیرِ استعمال رہا ہے۔

نسخہ:

نوشادر، بڑی الائچی، نمک، مرچ سیاہ، فلفل دراز، یہ پانچوں اجزاء ہم وزن لے کر ان سب کو الگ الگ صاف کر کے باریک پیس لیں۔ پھر ان کو ملا لیں۔ یہ سفوف اب شیشی میں محفوظ کر لیں۔

طریقۂ استعمال:

دو دو ماشہ صبح و شام ہمراہ دودھ استعمال کریں۔ بدہضمی، ہیضہ کی صورت میں عرقِ سونف کے ہمراہ پندرہ پندرہ منٹ بعد خوراک لیں۔ ایک دو دن میں اتنی بار کھا لیں کہ مجموعہ 10 تولہ ہو جائے۔

ملاحظہ:

ایک ماشہ ایک گرام سے معمولی سا زیادہ ہوتا ہے۔ 12 ماشہ ایک تولہ کہلاتا ہے۔ یہ گراموں میں ساڑھے بارہ گرام ہوتے ہیں۔

**بھنوں کا صفحہ** رعایت اللہ فاروقی

# اسلام اور عورت

ہمارے روایتی مذہبی طبقے کی ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ جدید مغرب کے اٹھائے سوالات کا جواب نہیں رکھتا۔ ان جوابات کے نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ دینی علوم کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہمارا نوجوان یہ سوچتا ہے آج کے روز وہ دین کا عالم ہو گیا۔ لہٰذا لازم ہے کہ اب اسے مولانا کے ٹائٹل سے مخاطب کیا جائے۔ حالانکہ درس نظامی کی ڈگری آپ کو صرف اس لائق بناتی ہے کہ آپ چاہیں تو اب آگے کی زندگی میں تحقیق اور غور خوض سے دین کا عالم بننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس کے عالم نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جوں ہی آپ اس سے دین کی نسبت سے کوئی ایسا سوال پوچھیں گے جو درس نظامی کے پڑھے ہوئے نصاب سے باہر کا ہوا تو اس کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ اسے بس درس نظامی کا محدود سا نصاب ہی آتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ جو نصاب اس نے پڑھ رکھا ہے وہ اپڈیٹ نہیں ہوا۔ اس کی بیشتر کتب صدیوں پرانی ہیں سو جس دور میں لکھی گئی ہیں اس دور کے انسانی شعور کے اٹھائے سوالات کا ہی جواب رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ سوال ہی لے لیجیے کہ کتنی نجاست سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب آج بھی مفتی یہ دے رہا ہے کہ اگر سیال نجاست ہو جیسے پیشاب تو ایک درہم کے سکے جتنا یا اس سے کم پھیلاؤ ہونے پر کپڑا ناپاک نہ ہوگا۔ اور اگر نجاست گاڑھی ہے مثلاً پاخانہ تو اس کا وزن اگر ساڑھے چار ماشے سے کم ہے تو کپڑا پاک ہے۔ اب سوال تو یہ ہے کہ کیا پاکستان میں درہم رائج الوقت کرنسی ہے؟ اور ہر شخص کی جیب میں اس کا سکہ موجود ہے؟ اور وہ کون سا سنار ہے جو اپنے جواہرات تولنے والا نفیس ترازو کسی کو کپڑے پہ لگی نجاست کا وزن کرنے کے لیے دے گا؟ اوپر سے ایک مصیبت یہ ہے کہ فارغ ہونے کے بعد یہ دین پر غور و خوض کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ خیر سے سب ہی کاپی پیسٹر ہیں۔

جدید مغرب کے اٹھائے اور ان کے پاکستانی کاپی پیسٹروں کے پھیلائے سوالات میں سے سب سے زیادہ مستعمل سوالات خواتین سے متعلق ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں اسلام نے عورت پر ظلم کے

پہاڑ توڑ رکھے ہیں تو روایتی مذہبی شخص کا گھسا پٹا جواب ہوتا ہے ''اسلام نے ماں کے قدموں تلے جنت رکھی ہے'' وہ آگے سے کہتا ہے ''میں جنت اور دوزخ کی بات نہیں کر رہا، میرا دعویٰ عورت کے دنیوی حقوق سے متعلق ہے۔ بتایئے اسلام نے عورت کو کیا دیا ہے؟'' پھر وہ یہیں نہیں رکتا بلکہ میراث سے لے کر دیت تک کے مسائل کا حوالہ دے کر کہتا ہے ''یہاں عورت کا حق مرد سے کم رکھا گیا ہے'' اور اس کا جواب ہمارے روایتی مذہبی شخص کے پاس بس یہ ہوتا ہے ''یہ اللہ کا فیصلہ ہے، ہم کون ہوتے ہیں اس میں دخل دینے والے؟'' تو اگلا کہہ دیتا ہے ''میں ایسے خدا کو ہی نہیں مانتا جو ایسے غیر منصفانہ فیصلے کرتا ہے'' اور یوں الحاد کا راستہ کھل جاتا ہے۔

ہم آپ کو عورت کی نسبت سے اسلامی تصور کی دو چار ایسی موٹی موٹی باتیں بتانے جا رہے ہیں جن سے آگہی کے بعد آپ کے لئے اسلام پر اعتراض کرنے والوں سے مدلل اور ''معقول'' بات کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ سب سے پہلی چیز یہ کہ اس دنیا کا سب سے بڑا بوجھ ''ذمہ داری'' ہے۔ بوجھ اس لئے کہ اس کے ساتھ جوابدہی کا قانون جڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقلمند لوگ اولاتو کسی قومی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے حتی المقدور جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صاف کہتے ہیں ''میں اس بوجھ کا اہل نہیں ہوں'' اور پھر بھی اگر یہ بوجھ لاد دیا جائے تو مبارکباد دینے والے سے یہ ضرور کہتے ہیں ''دعاء کیجیے کہ میں اس ذمہ داری کو نبھا سکوں'' اگر آپ ذرا سا غور کریں گے تو دعاء کی درخواست ہمیشہ مشکل میں کی جاتی ہے۔ اب جہاں تک ذمہ داری کے بوجھ کا تعلق ہے تو یہ اللہ سبحانہ وتعالی نے صرف اور صرف مرد پر ڈالا ہے۔ عورت کو ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رکھا ہوا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اسلام کا عورت پر کوئی احسان نہیں ہو سکتا۔ ذرا غور تو کیجئے، دنیا کی سب سے بڑی ذمہ داری اللہ سبحانہٗ وتعالی کا ''پیغمبر'' ہونا ہے۔ کیا عورتوں میں ایک بھی پیغمبر آئی ہے؟ عورتوں میں پیغمبر نہ آنے کی وجہ یہ نہیں کہ یہ نا اہل ہیں بلکہ یہ ہے کہ عورت کو ذمہ داری کے بوجھ سے آزاد رکھا گیا ہے۔ چنانچہ عورت ''دعوت و تبلیغ'' کی ذمہ داری سے بھی آزاد ہے۔ اگر یہ کام اپنے شوق سے کرتی ہے تو الگ بات لیکن اس سے محشر میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ دعوت و تبلیغ کا کام کیوں نہیں کیا؟ لیکن مسلمان مرد سے یہ سوال ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کی مذہبی ''ذمہ داریوں'' میں

شامل ہے۔اس کے لئے باقاعدہ تبلیغی دوروں پر نکلنا ضروری نہیں۔آپ اپنے حلقہ احباب کو گپ شپ میں نیکی کی تلقین کرتے ہیں تو یہ بھی دعوت و تبلیغ ہی ہے۔

ذمہ داریوں کے حوالے سے ہی غور کیجئے تو رشتوں کی نسبت سے عورت کا سب سے عظیم تر مرتبہ ماں کا ہے۔ذرا سوچئے بظاہر کسی ماں کی ممکنہ طور پر سب سے بڑی ذمہ داری کیا ہوسکتی ہے؟ اپنے شیر خوار کو چھاتی سے لگا کر دودھ پلانے سے بڑی ذمہ داری کوئی نہیں ہوسکتی۔لیکن اس ذمہ داری سے بھی اسلام نے عورت کو آزاد رکھا ہے۔اگر ایک ماں اپنے بچے کے باپ سے کہہ دے ''میں تمہارے بچے کے دودھ کی ذمہ دار نہیں۔اگر اسے دودھ میں نے پلانا ہے تو اس کا معاوضہ لوں گی'' یہاں اسلام ایسی ماں کو لعنت ملامت نہیں کرتا۔بلکہ شوہر سے کہتا ہے ''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔نکالو پیسے اور دو اسے معاوضہ'' لیکن آپ اللہ کی شان دیکھیے کہ اس ذمہ داری سے اسے رکھا مکمل طور پر آزاد ہے مگر اس کی ممتا کو اس عروج پر پہنچا دیا ہے کہ پورے عالم اسلام میں ایک بھی ماں ایسی نہ ملے گی جو شوہر سے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کر رہی ہو۔اگر آپ اسے معاوضہ لینے کا ''قیمتی مشورہ'' بھی دیں گے تو اس کا موقف ہوگا ''دودھ کیا چیز ہے؟ میں تو اپنی جان اپنے لخت جگر پر نچھاور کر دوں''

اب آجایئے روپے پیسے والے معاملے کی جانب۔اس باب میں عورت وہ خوش قسمت ہستی ہے جو جب تک باپ کے گھر میں رہتی ہے تو باپ اس کے خرچے کا ذمہ دار ہے۔اور خرچہ بھی یہ بیٹی ایسا کھلا کرتی ہے کہ رشتے دار چھوڑیئے کسی سہیلی کی شادی میں بھی نئے کپڑوں، نئے سینڈل، اور نئے زیور کے بغیر شرکت نہیں کرتی۔جبکہ اس کے بھائی صرف خاندان میں ہونے والی شادیوں میں ہی نیا لباس خریدتے یا بنواتے ہیں۔کسی ایک شادی میں شرکت کے لئے بیٹی مذکورہ چیزوں کے ساتھ میک اپ کا جو عظیم الشان خرچہ باپ سے کرواتی ہے اس سے اس کا مجموعی خرچہ اس کے پانچ بھائیوں سے زیادہ ہوجاتا ہے۔وہ جو بعض والدین بچیوں کی تعلیم میں ڈنڈی مارنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہوتی کہ تعلیم سے زیادہ خرچہ تو یہ ان سے کپڑوں، سینڈلز اور میک اپ پر کروا رہی ہوتی ہے۔کمال دیکھئے اس کے تو موبائل کے کور بھی دو تین درجن ہوتے ہیں۔ہر لباس کے ساتھ

موبائل کا میچنگ کور لازمی ہے۔

یہی بیٹی جب بیاہ کر اپنے گھر چلی جاتی ہے تو وہاں اسلام اسے دو خوشخبریاں دیتا ہے۔ پہلی یہ کہ ” آپ کے شوہر کے مال میں آپ کا حصہ ہے۔ یہ آپ کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ اگر یہ اس میں غفلت برتے تو بیشک عدالت میں کھینچ دو اسے“ اب سوال آ جاتا ہے کہ عورت اور مرد تو ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں تو کیا عورت کے مال میں شوہر کا بھی حصہ ہے؟ یہاں اسلام زوجہ جی کو اگلی خوشخبری دیتا ہے ” آپ کے مال یا ملکیتی اشیاء میں آپ کے شوہر کا تنکے کے برابر بھی کوئی حق نہیں۔ اگر یہ ایک دھیلہ بھی لے تو بیشک عدالت میں گھسیٹ دو۔ تمہارا مال صرف تمہارا ہے۔ اور تمہیں گھر کے اخراجات میں بھی اسے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بچوں پر بھی خرچ نہ کرنا چاہو، تو نہ کرو۔ ان کے خرچے کا ذمہ داران کا باپ ہے۔ تمہارا مال بس تمہارا ہے تم اسے اپنے ذاتی استعمال میں لاؤ اور موج کرو“ سو یہ جو بے شرم بیاہ کر آنے سے قبل ہی جہیز کی ڈیمانڈ لسٹ بچیوں کے والدین کو بھیجتے ہیں یہ آخرت میں اپنے عبرتناک انجام کے لئے تیار رہیں۔

پس ثابت ہوا کہ اخراجات کے معاملے میں عورت وہ خوش نصیب ہستی ہے جو باپ کے گھر پر ہے تو اس کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہے۔ شوہر کے گھر آئی تو وہاں اس کے اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔ اس پر اپنی حیات کے کسی مرحلے میں اسلام نے کمانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی۔

اب آ جائیے دیت والے مسئلے کی جانب۔ یہاں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مرد کی دیت پوری اور عورت کی دیت نصف ہے۔ لہٰذا اسلام عورت کو کمتر درجے پر رکھ رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر کی پوری دیت کیا اس کی قبر میں رکھی جائے گی؟ نہیں یہ اس کی زوجہ کو ملے گی۔ عورت کی نصف دیت کسے ملنی ہے؟ ظاہر ہے شوہر یا باپ یعنی مرد کو۔ اس باب میں اسلام کر یہ رہا ہے کہ عورت کو تو فل پیمنٹ (Payment) کروا رہا ہے جبکہ مرد کو نصف۔ تو یہ ظلم ہے یا کھلی جانبداری اور عورت پر احسان؟ اب سوال یہ آ جاتا ہے کہ آخر یہ تفریق اسلام کر کیوں رہا ہے؟ تو تفریق اس لئے کرتا ہے کہ مرد سے وہ کہتا ہے تم کمانے والی ذات ہو۔ قاتل کے ورثا پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ جبکہ مرد کے قتل پر عورت کو فل دیت دلواتے ہوئے اسلام گویا یہ کہتا ہے کہ یہ خاتون ہیں۔ یہ کمانے کی ذمہ

داری سے آزاد تھیں۔ان کا کمانے والا تو تم نے قتل کر دیا۔لہٰذا انہیں مرد کی نسبت زیادہ پیسوں کی ضرورت ہوگی۔سو فل دیت دو تا کہ ان کا گزارہ ہو سکے۔

رہ گیا میراث کا مسئلہ کہ بہن کا حصہ بھائی سے کم کیوں ہے؟ یہ بہن کا حق نہیں مارا جا رہا۔ بلکہ اسلام کر یہ رہا ہے کہ بہن تو گھر بیٹھی تھی۔ جبکہ اس کے بھائی کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ چنانچہ میراث میں ان کے حصے میں ان کی محنت کا معاوضہ بھی انہیں دیا جا رہا ہے۔اسلام کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔وہ بس میراث میں بیٹوں کی محنت کے پہلو کو بھی پیش نظر رکھ رہا ہے۔

---

## غرور و تکبر سے بچیں!

بہت سے ایسے نوجوان جو باڈی بلڈنگ یا ورزش کے ذریعے اپنے اجسام کو مظبوط و کسرتی بناتے ہیں،ان کی چال میں کئی بار ایک عجیب سی اکڑ آ جاتی ہے۔چہرے پر ایک خاص سختی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی مصنوعی شان وہ سجا لیا کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے احباب جو سائنسی یا فلسفیانہ موضوعات میں آگے بڑھ گئے ہیں،ان کے انداز فکر میں بھی کئی بار تکبر کی بو آتی ہے،خود کو عقل کل سمجھنا،مخالفین کو جاہل گردانا اور عوام کو تحقیر کی نظر سے دیکھنا ان کا مزاج بن جاتا ہے۔ بہت سے ایسے حضرات جو دینی علوم میں ماہر ہو جاتے ہیں،ان میں سے بھی کئی کے لب و لہجے میں عجیب سی رعونت در آتی ہے،اپنے پیش کردہ دلائل پر واہ واہ کرنے والو کا ٹولہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، ایک خاص قسم یا خاص رنگ کا جبہ اور مخصوص حلیہ وہ اپنی ذاتی شناخت کے طور پر اپنا لیتے ہیں۔جس میں ممکن ہے کہ سنت کا معمولی سا شائبہ تو ہو مگر اس کی سادگی کا عکس نہ ہو۔ بہت سے ایسے اشخاص جو تصوف کے سفر میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں، ان میں سے بھی کئی متقی ہونے کے کبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ چوموانا، مریدوں سے پیر دبوانا اور اپنے نام سے پہلے پیران پیر یا قطب الاقطاب جیسے القاب لگوانا انہیں عزیز ہو جاتا ہے۔سوچتا ہوں کہ جب ابلیس نے حکم خداوندی کو ٹھکرایا تھا تو اس کے اس عمل کے پیچھے شاید اپنی طاقت کی اکڑ بھی تھی،صلاحیتوں کا غرور بھی،علم کا زعم بھی اور زہد و تقویٰ کا کبر بھی۔پس لازم ہے کہ بحیثیت اولاد آدم علیہ السلام ہم اپنا اپنا احتساب کریں کہ ابلیسیت کی کوئی جھلک آج ہمارے کردار کا حصہ تو نہیں۔

(عظیم الرحمان عثمانی)

**قرآن دستورِ حیات** اللہ یار خان عشرتی

# ہر قوم مجبوبے دارد و قبلہ گاہے

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 142 سے دوسرا پارہ شروع ہوتا ہے، یہاں سے آیت 146 تک پانچ آیتوں میں تحویلِ قبلہ، اس پر اہلِ کتاب (یہود) کے اعتراض اور اس کا جواب، پھر اس امت، امتِ مسلمہ کے ایک خاص شرف و اعزاز کا ذکر ہے۔ مکی دور میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام بیت اللہ کی طرف نماز پڑھتے تھے (ایک قول بیت المقدس کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا بھی ہے)

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سولہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ پاک کی حکمتِ بالغہ کے تحت اس سے اہلِ کتاب جن کا قبلہ بیت المقدس ہے، ان کی دلجوئی اور دینِ حق کی طرف ان کو راغب اور قریب کرنا بھی مطلوب ہو۔ اس عرصہ میں بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی چاہت ملتِ ابراہیمی کے مرکز بیت اللہ کی طرف قبلہ رُخ ہونے کی تھی۔ کبھی شدتِ اشتیاق میں آسمان کی طرف بھی دیکھنے لگتے کہ کب حکم آتا ہے تحویلِ قبلہ کا۔

آخر ان آیات میں رہتی دنیا تک کے لیے بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ منقلب ہو جانے کا حکم نبی کو بھی اور تمام امت کو بھی دے دیا گیا۔ اس پر یہود بہت کچھ ہانکا کیے۔ پہلی آیت میں ان کو جواب بھی دیا گیا، اور سب جہتیں اور سمتیں اللہ کی ہونے اور جس امت کے لیے جب چاہیں کوئی سمت و جہت بطورِ قبلہ مقرر کرنے کا مشیتِ الٰہی ہونا بتلایا گیا، جس میں کسی کو دَم مارنے کی اجازت نہیں۔ خود اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کا قبلہ باوجود بیت المقدس ہونے کے پھر بھی بیت المقدس کے دو الگ الگ حصے ان کا قبلہ رُخ ہیں، جس میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ کوئی لچک روا نہیں رکھتے۔

ساتھ ساتھ دوسری آیت میں اس امت کے ایک خاص شرف و اعزاز کا ذکر ہوا کہ یہ امت دنیا کے سب شعبوں میں اور دین کے بھی سب شعبوں میں اعتدال اور توسط پر قائم ہے۔

موجِ کوثر  (از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو)  حسین بامحمد

# منصوبہ بند کائنات/(No By Chance)

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ : كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ :وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ" (صحيح مسلم ، رقم الحديث : ١٦ "٢٦٥٣" كتاب القدر)

مفہوم: "اللہ پاک نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھے دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا"

اسلام کے اور ہر آسمانی شریعت کے توحید، رسالت، قیامت کے بعد اہم عقائد ویقینیات میں سے ہے تقدیر۔ تقدیر مقرر اور طے کرنے سے عبارت ہے۔ کائنات وموجودات کو وجود بخشنے سے پہلے ہی ان تمام موجودات ومخلوقات کی اللہ پاک نے اپنے ازلی وابدی قدیم علم کے ساتھ منصوبہ بندی کر لی تھی۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب اسی سابقہ منصوبہ بندی کے تحت اور اس کے مطابق ہو رہا ہے۔

قرآن مجید میں جابجا اس کائناتی منصوبہ بندی کا ذکر ہے۔

"إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ......وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ .وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ" "وَقَدَّرْنَاهُ تَقْدِيراً" "ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ"

جدید الحاد و مادیت کا ایک اہم نظریہ اتفاقیہ کائنات، بائی چانس سلسلہ موجودات کا بھی ہے۔ ان مادیین ودہریین کے زعم میں چونکہ یہ کائنات ایک بے خدا کائنات ہے، اس کی پشت پر کوئی خدا، کوئی صانع، کوئی تخلیق کنندہ، کوئی ارادہ، کوئی مائنڈ، کوئی ذہن، کوئی دماغ نہیں۔ لہٰذا اس کائنات کے کُرّوں سے ذروں اور اُن کے افعال وسرگرمیوں تک سب کچھ اتفاق محض اور بائی چانس ہے۔

جبکہ مسلمان بچہ شروع دن سے مکتب میں جا کر "والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللّٰہ تعالیٰ" کا سبق پڑھ کر آتا ہے۔